نظرات

۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء کو ہندوستان کی چار ریاستوں مدھیہ پردیش، دہلی، راجستھان اور میزورم کی اسمبلیوں کے ہوئے انتخابات کے نتائج نے یہ بات تو اب بالکل صاف کردی ہے کہ اگر ہندوستانی مسلمان سمجھداری، عقلمندی، دانشمندی اور دور اندیشی کے ساتھ اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں تو ہندوستان میں فرقہ پرستی کبھی بھی پنپ نہیں سکتی ہے۔ اور فرقہ پرستی کو کراری شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ بی جے پی بڑی حکمت عملی کے ساتھ اپنے جہاریتیوں کو انتخابی میدان میں اتارا تھا۔ اور بڑی ہی چابکدستی کے ساتھ انتخابی مہم چلائی تھی ایک طرف ہندوتو کا کارڈ کھیلنے کی کوشش اور دوسری طرف سیکولرزم کے نام کی دہائی۔ مگر یہ سب باتیں بے اثر ثابت ہوئیں بلکہ ان دونوں باتوں سے بی جے پی کی ساکھ خراب ہی ہوتی رہی انتخابی جلسوں کے آخری دن دہلی کے لال قلعہ کے سامنے ہندوستان کے وزیراعظم جناب اٹل بہاری باجپئی نے بی جے پی کے حق میں لوگوں سے ووٹ دینے کی اپیل کرتے ہوئے بعض باتیں ایسی بھی کہہ دیں کہ جو بی جے پی کے ورکر کے لئے تو گوارہ ہو سکتی ہیں مگر ہندوستان کے وزیراعظم کے شایان شان قطعاً نہیں۔ ہندوستان کا وزیراعظم ہندوستان کے سیکولر آئین کی پاسداری و حفاظت کے لئے حلف اٹھاتا ہے اور جب وہ ہی وزیراعظم کوئی ایسی بات اپنے منہ سے نکال بیٹھے جس سے "سیکولرزم" پر "آنچ" آتی ہو تو پھر ایسے وزیراعظم کے بارے میں دانشور طبقہ کس طرح کا خیال ذہن میں پیدا کرے گا، لال قلعہ پر انتخابی جلسہ میں وزیراعظم اٹل بہاری واجپئی نے کانگریس کی صدر شریمتی سونیا گاندھی سے غالباً ان کے عیسائی مذہب کی ہونے پر چٹکی لیتے ہوئے اس قسم کی بات کہی کہ جیسے انھیں ہندوستان میں عیسائیوں پر ظلم وستم ہی سے دکھ ہوتا ہے اور وہ سیاست میں شاید اسی لئے زیادہ مستعد نظر آتی ہیں۔ جب اخبارات میں عیسائی فرقہ پر ظلم وستم کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرنا کیا ہندوستان

ے وزیر اعظم کے لئے زیب دیتا ہے جو ہندوستان کے سیکولر آئین کی حفاظت و پاسداری کا حلف لئے ہوئے ہو۔ انتخابی مہم کے دوران میں ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنا ایک ہنر بنتا جا رہا ہے لیکن جب اس قسم کے ہنر کی ترکیب اونچی کرسی پر فائز کسی انسان کی طرف سے عمل میں لائی جائے تو اسے دیکھ کر افسوس کے ساتھ دکھ اور تشویش کا ہونا قدرتی بات ہے۔

اس اسمبلی انتخابات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے اور جب اس کا استعمال کسی ایک پارٹی کے حق میں کیا جاتا ہے تو وہ پارٹی مسند اقتدار پر بیٹھ جاتی ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے ووٹ بٹتے رہے ہیں دو پارٹیوں کے درمیان میں تیسرا شخص آکر مسلمانوں کے ووٹ میں حصہ بٹی کر بیٹھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسلم ووٹ ایک جگہ نہ پڑ کر کئی جگہ بٹ جاتا تھا اور پھر اس کے نتیجہ میں فرقہ پرست فائدہ میں ہو جاتا تھا انتخابی نتائج کے وقت مسلمانوں کے ہاتھ سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا اور فرقہ پرستوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنا شروع ہو جاتے تھے۔

لیکن اس کے لئے ہم مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرانا قطعاً پسند و گوارہ نہیں کریں گے اس کے لئے ہمیں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ اس کے لئے ذمہ دار وہ افراد اور جماعت ہے جو مسلمانوں کے ووٹ سے مسند اقتدار پر فائز رہتے ہوئے مسلمانوں کو ذرا بھی نہیں گردانتی رہی ہے۔ شریمتی اندرا گاندھی کے آخری دور اقتدار میں جس طرح ہندو توا کارڈ کھیلا گیا اور مسلمانوں کو درکنار کرنے کے حربے استعمال کئے گئے اسے ہم اس ساری خرابی کا ذمہ دار کہیں گے جب ایک پارٹی اپنے اولین آئین سے ہٹتی نظر آئی تو پھر مسلمانوں کے لئے اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ بھی اپنی راہ الگ بنائیں اور پھر اس کا جو بھی انجام ہو وہ اگر مسلمانوں کے لئے بہتر نہیں ہے تو پھر خود اس جماعت کے لئے بھی کسی لحاظ سے اچھا نہ ہوا۔ اس کی بربادی و تباہی سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اور جب اپنی تباہی و بربادی سے وہ ابھر نہ سکی تو پھر اس کو ہوش آیا اور اس نے اپنی پچھلی کوتاہیوں، لغزشوں، غلطیوں کی طرف خیال کیا اس کے لئے نہ صرف معافی مانگی بلکہ اس کی تلافی کرنے کا بھی وعدہ کیا ـــــ انڈین نیشنل کانگریس جب اپنے بنیادی اصولوں سے کھسک گئی تو

نظرات

۲۵ نومبر ۱۹۹۸ء کو ہندوستان کی چار ریاستوں مدھیہ پردیش، دہلی، راجستھان اور میزورم کی اسمبلیوں کے ہوئے انتخابات کے نتائج نے یہ بات تو اب بالکل صاف کردی ہے کہ اگر ہندوستانی مسلمان سمجھداری، عقلمندی، دانشمندی اور دور اندیشی کے ساتھ اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں تو ہندوستان میں فرقہ پرستی کبھی بھی پنپ نہیں سکتی ہے۔ اور فرقہ پرستی کو کراری شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ بی جے پی بڑی حکمت عملی کے ساتھ اپنے مہارتیوں کو انتخابی میدان میں اتارا تھا۔ اور بڑی ہی چابکدستی کے ساتھ انتخابی مہم چلائی تھی ایک طرف ہندوتو کا کارڈ کھیلنے کی کوشش اور دوسری طرف سیکولرزم کے نام کی دہائی۔ مگر یہ سب باتیں بے اثر ثابت ہوئیں بلکہ ان دونوں باتوں سے بی جے پی کی ساکھ خراب ہی ہوتی رہی انتخابی جلسوں کے آخری دن دہلی کے لال قلعہ کے سامنے ہندوستان کے وزیراعظم جناب اٹل بہاری باجپئی نے بی جے پی کے حق میں لوگوں سے ووٹ دینے کی اپیل کرتے ہوئے بعض باتیں ایسی بھی کہہ دیں کہ جو بی جے پی کے ورکر کے لئے تو گوارہ ہوسکتی ہیں مگر ہندوستان کے وزیراعظم کے شایان شان قطعاً نہیں۔ ہندوستان کا وزیراعظم ہندوستان کے سیکولر آئین کی پاسداری و حفاظت کے لئے حلف اٹھاتا ہے اور جب وہ ہی وزیراعظم کوئی ایسی بات اپنے منہ سے نکال بیٹھے جس سے "سیکولرزم" پر "آنچ" آتی ہو تو پھر ایسے وزیراعظم کے بارے میں دانشور طبقہ کس طرح کا خیال ذہن میں پیدا کرے گا، لال قلعہ پر انتخابی جلسہ میں وزیراعظم اٹل بہاری واجپئی نے کانگریس کی صدر شریمتی سونیا گاندھی سے غالباً ان کے عیسائی مذہب کی ہونے پر چٹکی لیتے ہوئے اس قسم کی بات کہی کہ جیسے انھیں ہندوستان میں عیسائیوں پر ظلم وستم ہی سے دکھ ہوتا ہے اور وہ سیاست میں شاید اسی لئے زیادہ مستعد نظر آتی ہیں۔ جب اخبارات میں عیسائی فرقہ پر ظلم وستم کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں کرنا کیا ہندوستان

کے وزیر اعظم کے لئے زیب دیتا ہے جو ہندوستان کے سیکولر آئین کی حفاظت و پاسداری کا حلف لے چکے ہو۔ انتخابی مہم کے دوران میں ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنا ایک ہنر بنتا جا رہا ہے لیکن جب اس قسم کے ہنر کی ترکیب اونچی کرسی پر فائز کسی انسان کی طرف سے عمل میں لائی جائے تو اسے دیکھ کر افسوس کے ساتھ دکھ اور تشویش کا ہونا قدرتی بات ہے۔

اس اسمبلی انتخابات نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے اور جب اس کا استعمال کسی ایک پارٹی کے حق میں کیا جاتا ہے تو وہ پارٹی مسند اقتدار پر بیٹھ جاتی ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کے ووٹ بٹتے رہے ہیں دو پارٹیوں کے درمیان میں تیسرا شخص آکر مسلمانوں کے ووٹ میں حصہ بتی کر بیٹھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مسلم ووٹ ایک جگہ نہ پڑکر کئی جگہ بٹ جاتا تھا اور پھر اس کے نتیجہ میں فرقہ پرست فائدہ میں ہو جاتا تھا انتخابی نتائج کے وقت مسلمانوں کے ہاتھ سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا اور فرقہ پرستوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنا شروع ہو جاتے تھے۔

لیکن اس کے لئے ہم مسلمانوں کو مورد الزام ٹھہرانا قطعاً پسند و گوارہ نہیں کریں گے اس کے لئے ہمیں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ اس کے لئے ذمہ دار وہ افراد اور جماعت ہے جو مسلمانوں کے ووٹ سے مسند اقتدار پر فائز رہتے ہوئے مسلمانوں کو ذرا بھی نہیں گردانتی رہی ہے۔ شریمتی اندرا گاندھی کے آخری دور اقتدار میں جس طرح ہندوتو کا کارڈ کھیلا گیا اور مسلمانوں کو درکنار کرنے کے حربے استعمال کئے گئے اسے ہم اس ساری خرابی کا ذمہ دار کہیں گے جب ایک پارٹی اپنے اولین آئین سے ہٹتی نظر آتی تو پھر مسلمانوں کے لئے اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ بھی اپنی راہ الگ بنائیں اور پھر اس کا جو بھی انجام ہو وہ اگر مسلمانوں کے لئے بہتر نہیں ہے تو پھر خود اس جماعت کے لئے بھی کسی لحاظ سے اچھا نہ ہوا۔ اس کی بربادی و تباہی سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اور جب اپنی تباہی و بربادی سے وہ اُبھر نہ سکی تو پھر اس کو ہوش آیا اور اس نے اپنی پچھلی کوتاہیوں، لغزشوں، غلطیوں کی طرف خیال کیا اس کے لئے نہ صرف معافی مانگی بلکہ اس کی تلافی کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ انڈین نیشنل کانگریس جب اپنے بنیادی اصولوں سے کھسک گئی تو